Safeeneh
A Research Journal of Persian Language, Literature and Culture
No 12, 2014 pp 193 -210

سفینه
مجلۀ تحقیقی در زمینۀ زبان ، ادبیات و فرهنگ فارسی
شمارۀ ۱۲ ، ۲۰۱٤ میلادی ، صص ۱۹۳ تا ۲۱۰

رشید ملک (۱۹۲۴ـ ۲۰۰۷ء)

احوال و آثار

دکتر محمد اطهر مسعود
عضو هیأت علمی گروه فارسی
دانشکدۀ خاور شناسی دانشگاه پنجاب لاهور، پاکستان

چکیده :

رشید ملک (۱۹۲۳ـ ۲۰۰۷م) مقام شامخی بین منتقدان و محققین در زمینه موسیقی شبه قاره دارد. آثار وی از نظر ارزش علمی و تحقیقی اهمیت جداگانه ای دارند. مقاله حاضر برای گرد آوری و معرفی احوال و آثار این پژوهشگر بزرگ نخستین کوششی است ، نویسنده از نگاه انتقادی سایر آثار این مرد بزرگ را مورد بررسی قرار داده است.

واژه های کلیدی: موسیقی شبه قاره، تاریخ ، ترجمه ها، آثار رشید ملک، نقد و بررسی

برصغیر کی موسیقی پر عملی اور نظری دونوں حوالوں سے قابلِ قدر تحقیقی کام بہت کم ہوا ہے۔ بادی النظر میں اس کی متعدد وجوہات ہیں۔ اول یہ کہ موسیقی کے میدان میں بجا طور پر ہمیشہ عمل کو علم پر ترجیح دی جاتی ہے اور عالمِ بے عمل کی رائے عموماً مستند نہیں سمجھی جاتی۔ دوم موسیقی سے وابستہ بالخصوص پیشہ ور حضرات بالعموم کم خواندہ یا بیشتر صورتوں میں نا خواندہ ہی ہوتے تھے۔ عملی موسیقی کے بیشتر پہلوؤں پر حاوی اور صاحب الرائے ہونے کے باوجود ہمارے اکثر بڑے فنکار موسیقی پر لکھنا تو درکنار، اس موضوع پر سنسکرت، فارسی یا بعد ازاں اردو، انگریزی یا دیگر علاقائی زبانوں میں لکھی گئی کتب کو پڑھنے سے بھی معذور تھے۔ سوم یہ تلخ حقیقت کہ باقاعدہ سائنسی اور منطقی بنیادوں پر استوار علمِ موسیقی کو محض تفریحِ طبع کا وسیلہ سمجھا جاتا رہا ہے اور چند استثنائی صورتوں کے علاوہ اس کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق یا تالیفِ کتب کی ضرورت کو مناسب اہمیت ہی نہیں دی گئی۔ تقسیمِ برصغیر سے پہلے اٹھارویں صدی میں فارسی زبان میں لکھی گئی **نغمات آصفی / اصول النغمات الآصفیہ** اور بیسویں صدی میں بھات کھنڈے (۱۸٦۰ - ۱۹۳٦ء) کی تالیف کردہ کتب کے علاوہ کم ہی کتب میں موسیقی کے کسی پہلو پر تحقیق کو سنجیدگی سے موضوع بنایا گیا ہے۔

برصغیر میں انگریزوں کی آمد پر بالعموم اور ۱۸۵۷ء میں براہِ راست تاجِ برطانیہ کی عملداری میں آنے کے بعد بالخصوص مقامی آبادی کو جہاں جدید سائنسی علوم سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملا وہیں مختلف شعبہ ہائے علم و ادب میں تحقیق و تنقید کے بھی نئے در وا ہوئے۔ چند صدیاں پیشتر جس طرح مسلمان نوواردوں نے برصغیر کی مقامی موسیقی میں دلچسپی لی تھی، اُسی طرح انگریزوں نے بھی اپنے زاویۂ نظر سے اسے دیکھا، پرکھا اور اس پر رائے زنی کی۔ سر ولیم جونز (۱۷٤٦ - ۱۷۹٤ء)، کیپٹن ولرڈ اور چند دیگر اصحاب کی تالیفات اس حوالے سے اولین تحریروں میں شمار ہوتی ہیں۔ بھات کھنڈے (۱۸٦۰ - ۱۹۳٦ء) اور اُن کے رفقاء مثلاً ٹھاکر نواب علی خان اور چھمن صاحب وغیرہ کی مساعی سے تصنیف و تالیف کا یہ سلسلہ آگے بڑھا اور پہلی آل انڈیا میوزک کانفرنس (بڑودہ ۱۹۱٦ء) کے بعد اس میں خاصی تیزی آئی۔ متحدہ ہندوستان میں فارسی زبان کا چلن تو تقریباً ختم ہو چکا تھا، لہٰذا یورپی مؤلفین نے انگریزی اور مقامی مؤلفین نے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں موسیقی پر تحقیقی، تنقیدی اور سوانحی حوالوں سے کتب تالیف کیں۔ ان مؤلفین میں پنڈت وشنو نرائن بھات کھنڈے، ٹھاکر نواب علی خان، ایم. آر. گوتم اور سانیال وغیرہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

تقسیمِ برصغیر کے بعد ہندوستان میں تو موسیقی پر تحقیق وتنقید کا سلسلہ جاری رہا لیکن پاکستان میں بوجوہ صورتحال برعکس رہی ۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں شاہد احمد دہلوی (۱۹۰٦ ۔ ۱۹٦۷ ء)، قاضی ظہور الحق (۱۹۰۹ ۔ ۱۹۸۹ ء)، فیروز نظامی (۱۹۱۰ ۔ ۱۹۷۵ ء)اور چند دیگر اصحاب کے اکا دُکا مضامین مختلف رسائل میں ضرور شائع ہوتے رہے لیکن ان کی نوعیت بیشتر تا ثراتی ، سوانحی یا آموزشی تھی ، تحقیقی نہیں۔ رشید ملک (۱۹۲۴۔۲۰۰۷ء) کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے پاکستان میں پہلی بار فن موسیقی پر ٹھوس علمی اور تحقیقی انداز میں تصنیف و تا لیف کا سلسلہ شروع کیا اور بلا شبہ اسے جس معیار تک لے گئے ، وہ انھی کا خاصہ ہے۔ مجلّہ **فنون** کے ابتدائی شماروں میں شائع ہونے والی آپ کی اولین تحریروں سے لے کر آخری کتاب **عہد وسطیٰ کا ہندوستان** (لاہور ۲۰۰۳ء) آپ کی علمیت ، وسعتِ مطالعہ ، منطقی استدلال ، زبان و بیان پر قدرت ، جدید اندازِ تحقیق سے گہری واقفیت اور اسے اپنی تحریروں میں برتنے کی مہارت کا عمدہ ثبوت ہیں ۔ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں اُن کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ آثار کے کے تفصیلی تعارف سے پہلے ایک نظر اُن کے احوالِ زندگی پر ڈالنا مناسب ہوگا ۔ تاہم یہاں یہ ذکر دینا بھی ضروری ہے کہ موصوف کے حالاتِ زندگی اس سے پہلے کسی جگہ مذکور نہیں۔ اکثر جینوئن بڑے آدمیوں کی طرح ملک صاحب بھی اپنی ذات کے بارے میں خود گفتگو کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا دورانِ گفتگو برسبیلِ تذکرہ اگر کوئی حوالہ، واقعہ یا کوئی معلومات نوکِ زبان پر آجائے تو اس سے گریز مشکل ہوتا۔یہی وجہ ہے کہ اُن کے انتہائی قریبی احباب کو بھی اُن کی ذاتی زندگی کے بارے میں بڑی محدود معلومات میسر ہیں۔

تاریخ پیدائش ۱۹۲۴ ء بتلاتے تھے جو سرکاری ریکارڈ میں بھی درج ہے ۔آپ کے والد ملک غلام حسین متحدہ ہندوستان کے محکمہ ریلوے میں ملازم رہے تھے جنھیں پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴۔ ۱۹۱۸ء) میں خدمات انجام دینے کے صلہ میں ریاست بیکانیر میں زرعی زمین الاٹ ہوئی تھی ۔ چنانچہ رشید ملک صاحب کی ابتدائی تعلیم سری گنگا نگر نامی قصبہ میں ہوئی جہاں سے میٹرک کرنے کے بعد جالندھر آگئے اور یہاں سے بی .اے کرنے کے بعد ایم . اے اکنامکس کے لئے پنجاب یونیورسٹی لاہور میں داخلہ لیا۔ کچھ عرصہ دیال سنگھ کالج ، لاہور میں جز وقتی لیکچرار اور پھر دارالحکومت کراچی میں اکنامک ریسرچ کے نو تا سیس ادارے میں چند ماہ بطور 'اکنامک انویسٹی گیٹر' کام کرنے کے بعد سی .ایس.ایس کا امتحان دیا اور ۱۹۴۹ء میں پولیس سروس آف پاکستان کے پہلے بیچ میں بطور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ آف پولیس (ASP) منتخب

ہوئے۔ روالپنڈی ، سرگودھا اور ساہیوال میں بطور ASP اور مظفر گڑھ میں بطور سپرنٹنڈنٹ آف پولیس(SP) خدمات انجام دیں۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں پاکستان میں پہلے مارشل لاء کے نفاذ کے کچھ عرصہ بعد پولیس سروس سے استعفیٰ دیا اور بظاہر اکاؤنٹینسی کی تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے لیکن وہاں جا کر اس شعبے میں جی نہ لگا اور ۱۹٦۰ء کی دہائی کے آغاز میں پاکستان واپس آ گئے ۔ تاہم اپنے قیامِ انگلستان کے دوران وہاں کی لائبریریوں سے خوب استفادہ کیا اور بالخصوص برصغیر کی موسیقی پر کتب ومخطوطات کا مطالعہ اور مواد کی جمع آوری کرتے رہے ۔ وطن واپسی کے بعد تقریباً اگلے پچیس تیس برس متعدد نیم سرکاری اور پرائیویٹ اداروں مثلاً پاکستان سٹیل ملز (کراچی) ،خرم کیمیکلز (راولپنڈی) اور پاک عرب فرٹیلائزر فیکٹری (ملتان) وغیرہ میں مختلف انتظامی عہدوں پر فائز رہے لیکن تصنیف و تالیف سے رابطہ برقرار رہا۔۱۹٦۴ ء میں مجلّہ **فنون** میں اپنی پہلی تحریر کی اشاعت پر جناب احمد ندیم قاسمی (۱۹۱٦۔۲۰۰٦ ء) سے استوار ہونے والا تعلق گہری دوستی میں بدلا جو موصوف کی وفات تک جاری رہا۔ چنانچہ **فنون** کے علاوہ دیگر ادبی و تحقیقی مجلّات میں اُن کی تحریریں شاذ ہی شائع ہوئیں ۔ آپ نے ۲۰ فروری ۲۰۰۷ ء کو لاہور میں وفات پائی اور گلبرگ کے قبرستان میں مدفون ہوئے ۔ حکومت پاکستان نے آپ کی علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ۲۰۰۹ ء میں آپ کو تمغۂ امتیاز (بعد از مرگ) سے نوازا۔

بطور سرکاری افسر آپ کے ساتھی افسران میں مختار مسعود (پ ۱۹۲٦ ء) ، شیخ منظور الٰہی (م ۲۰۰۸ء)، الطاف گوہر (۱۹۲۳۔ ۲۰۰۰ ء) ،سید مصطفیٰ زیدی (۱۹۲۹ ۔۱۹۷۰ ء)، مسعود محمود (م ۱۹۹٦ ء)، سید منیر حسین اور عاشق مزاری کے نام اہم ہیں جب کہ علمی و ادبی احباب میں احمد ندیم قاسمی (۱۹۱٦۔۲۰۰٦ ء) کے علاوہ علی عباس جلالپوری (۱۹۱۴۔۱۹۹۷ ء) ، محمد خالد اختر (۱۹۲۰ ۔۲۰۰۲ ء) ، اختر حسین جعفری (۱۹۳۲ ۔۱۹۹۲ ء) ، سید محمد کاظم (م ۲۰۱۴ ء) اور مسعود اشعر وغیرہ شامل ہیں۔

تحقیق و تالیف

رشید ملک صاحب کی فہرستِ تالیفات بڑی متنوع ہے ۔ان کی بطور محقق بنیادی وجہ شہرت موسیقی سہی لیکن دیگر علوم سے اُن کی دلچسپی بھی کچھ کم نہیں تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے مختلف شعبہ ہائے علم و ادب میں بلند پایہ کتب تالیف کیں۔

امیر خسرو کا علمِ موسیقی

مجلّہ **فنون** کے ابتدائی شماروں میں شائع ہونے والے مضامین سے ملک صاحب بہ طور محقق دو حوالوں سے نمایاں ہوئے : اول موسیقی پر لکھنے والے دیگر مؤلفین کی جانب سے کئے گئے سرقے اور اسقام کی بے نقابی اور دوم امیر خسرو (۱۲۵۳ ۔ ۱۳۲۵ ء) کے حوالے اختلافی نکتہ نظر! یہ شہرت تا دمِ مرگ اُن کی شخصیت کا حصہ رہی ۔ ان مضامین نے جہاں اُن کے سینئرز اور ہم عصر لکھنے والوں میں سے متعدد کی علمی حیثیت کا بھانڈا پھوڑا ، وہیں موسیقی کے میدان میں حضرت امیر خسرو (۱۲۵۳ ۔ ۱۳۲۵ ء) کی بہ طور نایک ، موجد اور برصغیر کی موسیقی کے ''محسن اور مجدد'' حیثیت کو بھی علمی انداز میں چیلنج کیا ۔ ''بت شکنی'' کی یہ کوشش جہاں ہند و پاکستان کے علمی و ثقافتی حلقوں میں ملک صاحب کی شہرت کا سبب بنی وہاں ٹھوس علمی دلائل ، بنیادی مآخذ کے حوالہ جات اور منطقی استدلال پر مبنی اُن کے تحقیقی مقالات کو بہ نظرِ استحسان دیکھے جانے کے ساتھ ساتھ موسیقی کے میدان میں امیر خسرو (۱۲۵۳ ۔ ۱۳۲۵ ء) کو Patron Saint کے مقام پر فائز دیکھنے والوں کی طرف سے طعن و تشنیع اور اختلافات کے دفتر بھی کھل گئے ۔ احباب و اعدا کی طرف سے امیر خسرو کا دفاع کرتے ہوئے ردعمل میں لکھے گئے مقالات اور مدیرانِ اخبارات و جرائد کے نام خطوط میں پیش کردہ دلائل کے مسکت جواب تلاش کرکے ملک صاحب نے اپنے مقالات کا پہلا مجموعہ بہ عنوان **امیر خسرو کا علمِ موسیقی اوردوسرے مقالات** ریفرنس ری پرنٹس (لاہور) سے ۱۹۷۵ء میں شائع کیا ۔ اِن دنوں جب امیر خسرو کا سات سو سالہ جشنِ ولادت سرکاری طور پر منانے کی تیاریاں عروج پر تھیں ، ایک ایسی کتاب کی اشاعت نے ، جس میں موصوف کی بہ طور موسیقار حیثیت کو بہ دلائل چیلنج کیا گیا ہو ، علمی ، ادبی اور ثقافتی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا۔ سات مضامین پر مشتمل اس کتاب کے پیش لفظ میں مؤلف نے بجا طور پر اعتراف کیا کہ

> ''اس مجموعے میں بیشتر مضامین تنقید کا پہلو لئے ہوئے ہیں ۔ اِن کا محرک میرے ہمعصروں کے وہ مضامین تھے جن سے مجھے اختلاف تھا ۔ اِن مضامین کو دیکھے بغیر ، قاری کے لئے اس مجموعے میں شامل مضامین کا سیاق و سباق دریافت کرنا ذرا مشکل ہے ۔لیکن اس دقت کو آسانی سے نظر انداز کیا جا سکتا ہے کیوں کہ ان مضامین کو محض ان کے افادی پہلوؤں کی وجہ سے اس مجموعے میں شامل کیا گیا ہے ۔ اس میں دل آزاری کا کوئی پہلو نہیں ہے ۔صحت مند اختلاف

ذہنی تنومندی کی علامت ہے اور حرکت کا منبع۔'' [رشید ملک ۲۰۰۰: ۱۲]

ثقہ علمی روایات کے تتبع میں ملک صاحب نے اپنے مضامین کی مجلّہ **فنون** اور بعد ازاں کتابی صورت میں اشاعت کے بعد امیر خسرو (۱۲۵۳ ۔ ۱۳۲۵ ء) کے حوالے سے اپنے نقطۂ نظر کے رد میں آنے والی تحریروں کی جانچ پرکھ کا سلسلہ برقرار رکھا۔ نیز اس موضوع پر مزید منابع سے اسناد و شواہد جمع کرتے رہے تا آنکہ ۲۰۰۰ ء میں اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن فکشن ہاؤس (لاہور) سے شائع ہوا جس میں یہ تمام مقالات بالخصوص مرکزی مقالہ بعنوان '' موسیقی اور امیر خسروؔ' متعدد اضافات کے ساتھ از سرِ نو ترتیب دیے گئے تھے۔ زیرِ نظر کتاب کے حوالے سے خاص طور پر قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ طبعِ ثانی کے بعد بھی اس موضوع پر مواد کی جمع آوری کا سلسلہ جاری رہا اور وفات سے قبل ملک صاحب اس کتاب کے اگلے ایڈیشن کے لئے تاریخ کے موضوع پر ہندوستان سے منگوائی ہوئی کتب اور امیر خسرو (۱۲۵۳ ۔ ۱۳۲۵ء) کی شعری و نثری تصانیف سے کچھ دیگر مواد ترتیب دینے میں مصروف تھے۔

انڈالوجی

بیسویں صدی کے ربعِ اول میں ادبی تاریخ نویسی کے موضوع پر کتب کے حوالے سے دو شخصیات نے بڑی شہرت حاصل کی۔ مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ ۔ ۱۹۱۴ ء) کی **شعر العجم** کے بالاستیعاب مطالعے کے بعد اس میں موجود اسقام و ابہام کو اُن کے جونیئر ہمعصر حافظ محمود شیرانی (۱۸۸۰ ۔ ۱۹۴۶ ء) نے نمایاں کرتے ہوئے **تنقید شعر العجم** لکھی جسے ادبی دنیا میں بڑی شہرت ملی۔ یہ کتاب اور جواب الکتاب فارسی شاعری کے حوالے سے تھے تاہم اس صدی کے ربعِ آخر میں بزرگ ادیب احمد ندیم قاسمی کی اپنے ایک معاصر نقاد کے ساتھ ادبی چشمک جاری رہی جس میں مؤخر الذکر کی کتاب **اردو شاعری کا مزاج** خصوصیت سے زیرِ بحث رہی۔ اس ضمن میں دونوں اصحاب کے حواریوں کی جانب سے کئے جانے والے حملوں اور جوابی حملوں نے معاصر ادبی تاریخ کے کئی اہم واقعات کو جنم دیا۔ **اوراق** اور **فنون** کے صفحات علمی اور شخصی مباحث کے لئے حاضر تھے، سو یار لوگوں نے دوستیاں نبھانے میں کوئی کسر کم ہی چھوڑی ہو گی۔ اس حوالے سے ایک دوسرے کی ذات پر رکیک الزامات بھی عائد کئے گئے جن کی تفصیل اس وقت ہمارا موضوع نہیں۔ مجلّہ **فنون** سے دیرینہ وابستگی کی بنا پر جناب احمد ندیم قاسمی سے ملک صاحب کی بڑی گہری دوستی تھی۔ لہٰذا مخالفین کی طرف سے ذاتی حملوں کا جواب علمی انداز میں دینے کی ذمہ داری ملک صاحب

نے اُٹھائی اور **اردو شاعری کا مزاج** کی سطر بہ سطر سقم جوئی شروع کی ۔۱۹۸۰ء کی دہائی میں شروع ہونے والے یہ مطالعات **فنون** کے صفحات پر بیس برس سے کچھ زائد عرصہ تک شائع ہوتے رہے ۔ **انڈالوجی** ،مطبوعہ فکشن ہاؤس (لاہور ۲۰۰۲ ء) انہی مضامین کی بہ اندازِ دگر پیشکش ہے ۔کتاب کے مندرجات پر مؤلف نے اپنے دیباچے میں روشنی ڈالتے ہوئے لکھا:

> ''اس کتاب میں شامل مضامین کسی نئ تحقیق کے مدعی نہیں ہیں۔ ان کا انحصار محض ثانوی مآخذ پر ہے اور ان کی اشاعت کا مقصد انڈالوجی کے چند شعبوں کا تعارف ہے ۔ یہ مقالات کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کے مدعی بھی نہیں ہیں کیونکہ ان کا مقصد صرف قاری کو ان جہات سے متعارف کروانا ہے جو ان شعبوں پر تحقیق اختیار کر رہی ہے ۔اور پھر تحقیق میں کوئی نتیجہ بھی حتمی نہیں ہوتا۔''
>
> [رشید ملک ۲۰۰۲ : ۷]

تألیف کے فن کو ملک صاحب بخوبی سمجھتے تھے ۔ **اردو شاعری کا مزاج** کے رد میں لکھے گئے مضامین کو ذاتیات ،طنزیہ انداز نگارش ،نقص برآری اور بے مقصد نکتہ چینی کے عناصر سے پاک کرنے کے بعد ملک صاحب نے اس مواد کو تحقیقی مقالات کی صورت میں ترتیب دیا۔ **انڈالوجی** کا حصہ بننے والے اِن پانچ مقالات کے عناوین یہ ہیں: ''وید بحیثیت تاریخی مآخذ''،''اساطیر''،''آریا اور آریائیت'' ، ''راگنی کے تصور کا ارتقاء'' اور''بھگتی'' ۔ مقالات سے پہلے تقریباً ساٹھ صفحات پر مشتمل''تعارف'' اور پھر''ملحق تعارف'' بھی دیا گیا ہے جو اپنی جگہ ایک الگ تحقیقی مقالہ ہے جسے مؤلف نے علمی انکسار کے باعث مقالہ نہیں کہا۔

انڈالوجی ،جس کا ذیلی عنوان'قدیم ہندوستان کی تاریخ کے چند گوشے' رکھا گیا،مؤلف کے تبحر علمی کا عمدہ نمونہ ہے ۔ برصغیر کی تاریخ ،آثارِ قدیمہ،موسیقی ،سوشل انتھروپولوجی اور مذہب جیسے موضوعات کا احاطہ کرتی ہوئی اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن زیر ترتیب ہے ۔

ایٹم کی کائنات

جدید سائنس بالخصوص ماڈرن فزکس سے اُن کی دلچسپی کی وجہ آواز کے مختلف پہلوؤں پر ہونے والی تحقیقات سے آگاہی کا حصول تھا ۔ انھی متنوع مطالعات کے دوران مہاجلو ولیمیر ووچ کی کتاب The Atomic Universe بھی اُن کی نظر سے گزری جس کی اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر انھوں

نے محض اس کا ترجمہ کرنے کے بجائے اس موضوع پر لکھی گئی دیگر کتب سے متعلقہ مواد جمع کر کے اضافات کی مدد سے ایک مفید کتاب تألیف کرنے کو ترجیح دی۔

ایٹم کی کائنات پڑھنے کے بعد مؤلف کی موضوع اور زبان و بیان پر گرفت کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ کتاب کی زبان بول چال کے انتہائی قریب ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی موضوع پڑھایا نہیں جا رہا بلکہ کوئی بات سمجھائی جا رہی ہے۔ ایٹم کی ساخت، ایٹمی عمل کی وضاحت، تجربہ گاہوں کی ورکنگ، نیوکلیائی ردعمل سے لے کر ایٹم بم کی تیاری، ایٹمی اسلحہ کے استعمال، ایٹمی حملے کی صورت میں متوقع نقصانات اور بچاؤ کی تدابیر وغیرہ کے متعلق تمام معلومات انتہائی منضبط اور مبسوط انداز میں بیان کی گئی ہیں۔ بنیادی طور پر انگریزی یا لاطینی زبان میں وضع شدہ سائنسی اصطلاحات کا اردو ترجمہ بے حد رواں اور سریع الفہم ہے۔ حیرت ہے کہ اردو زبان میں سائنس کے مختلف مضامین مثلاً فزکس، کیمسٹری، بیالوجی وغیرہ کی نصابی کتب تألیف کرتے ہوئے درس و تدریس سے وابستہ ہمارے مؤلفین حضرات ایسی کتب اور انداز تحریر سے استفادہ کیوں نہیں کرتے؟

کل ۲۶۷ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا متن صفحہ ۲۰۳ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دو ضمائم بہ عنوان ''عناصر میں ظہورِ ترتیب'' اور ''چند اہم جداول'' کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ضمیمۂ اول کے تحت مؤلف نے Periodic Table میں موجود ۱۰۳ عناصر کے بارے میں مختلف ضروری معلومات درج کی ہیں۔ ہر عنصر کی دریافت، اس کے اہم ترین استعمال، اس کے کرسٹل سٹرکچر اور دیگر بنیادی معلومات سے عبارت یہ ضمیمہ ایک عام قاری کے لئے انتہائی مفید ہے۔ ضمیمۂ دوم میں شامل جداول کے عنوانات یوں ہیں: پیمائشوں کی اکائیوں کے نظام، بنیادی طبعی ثابتوں کی عددی قیمتیں، توانائی اور کمیت کی پیمائشی اکائیوں کے درمیان نسبتیں، اعشاری نظام۔ دونوں ضمائم کی موجودگی سے کتاب کی افادیت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔

اردو سائنس بورڈ (لاہور) سے ۱۹۹۷ء میں شائع ہونے والی اس کتاب کا انتساب رشید ملک نے اپنے بیٹے حسین ملک کے نام کیا ہے۔ تا حال اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع نہیں ہوا۔

برصغیر میں موسیقی کے فارسی مآخذ

رشید ملک کی علمی کاوشوں کے نمایاں ترین اوصاف ارتکاز اور تسلسل ہیں۔ اُن کی تحریریں اس

بات کی شاہد ہیں کہ وہ لکھنے کے لئے موضوع کا انتخاب انتہائی احتیاط سے کرتے اور پھر اُس پر سوچ بچار کرتے ہوئے بعض اوقات برسوں تک بنیادی اور مستند مآخذ کی تلاش میں مصروف رہتے ۔ **برصغیر میں موسیقی کے فارسی مآخذ** مطبوعہ ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان ، دانشگاہِ پنجاب ، لاہور (۱۹۸۳ء)اسی نوعیت کی مساعی کے نتیجے میں جمع شدہ مواد کی کتابی صورت ہے ۔ اس کتاب کی ترتیب میں اُن کے شریک کار ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی ، جنھوں نے ملک صاحب کے ترتیب شدہ مواد کو فارسی سے اردو میں ترجمہ کرنے کا کٹھن فریضہ انجام دیا ،'عرضِ مترجم' کے عنوان سے یوں رقمطراز ہیں :

> ''کتاب **برصغیر میں موسیقی کے فارسی مآخذ** اپنی نوعیت کی ایک انوکھی اور دلچسپ کتاب ہے ۔ اس کی جمع آوری میں دوستِ گرامی جناب رشید ملک نے خاصی کنجکاوی سے کام لیا اور اس طرح موسیقی سے اپنی بے حد وابستگی کا ثبوت بہم پہنچایا ہے ۔ اس سلسلے میں انھوں نے مطبوعہ مآخذ کے علاوہ بعض قلمی نسخوں کو بھی کھنگالا ہے ، تاہم کتاب کی ضخامت بڑھ جانے کے سبب انھیں بعض چھوٹے چھوٹے اقتباسات سے صرفِ نظر کرنا پڑا ہے ۔'' (رشید ملک و یزدانی ۱۹۸۳ : ز)

یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ اس نوعیت کی کتاب ہند و پاکستان میں کبھی مرتب نہیں کی گئی ۔ فہرستِ مشمولات پر محض ایک نظر سے مرتب کی وسعتِ مطالعہ اور ژرف نگاہی کی داد دینا پڑتی ہے ۔ اُن دنوں جب فوٹو کاپی جیسی سہولت اس قدر عام نہ تھی ، مختلف کتابخانوں سے لتھو گراف ، نولکشوری ایڈیشنز یا خطی نسخوں کے حصول اور پھر اُن سے لئے گئے اقتباسات کو کتابی صورت میں ترتیب دیتے ہوئے مرتب نے جو ذہنی ، جسمانی اور مالی زحمت اٹھائی ہوگی ، اس کا صرف دھندلا سا اندازہ ہی کیا جا سکتا ہے ۔ امیر خسرو (۱۲۵۳ ـ ۱۳۲۵ء) کے تمام آثار کے علاوہ **فوائد الفواد**، **سیر الاولیا**، **واقعاتِ بابری**، **تاریخِ رشیدی**،**آئینِ اکبری**، **تاریخ ، فرشتہ**، **کتابِ نورس**، **شاہ جہان نامہ**، **مرقع دہلی**، **مرآۃ آفتاب نما** اور **غیاث اللغات** وغیرہ وہ چند کتب ہیں جن کے اقتباسات مع ترجمہ اس کتاب میں شامل ہیں ۔

تاہم ایسی منفرد ، اچھوتی اور اپنی نوعیت کی شاید واحد کتاب میں چند خامیوں کا رہ جانا بعید از ممکنات نہیں ۔تیس صفحات پر مشتمل 'پیش گفتار' از رشید ملک جہاں اپنی جگہ برصغیر کی موسیقی کی تاریخ اور اُس کی عہد بہ عہد علمی و فنی ترقی کا عالمانہ جائزہ ہے ، وہیں اس کے حواشی کا کتاب میں شامل ہونے سے رہ جانا انتہائی افسوسناک ہے ۔عموماً ایسی غلطیاں جلد بندی کے موقع پر ہوا کرتی ہیں جب جلد ساز حضرات

چند اوراق یا کوئی مکمل جزوہ کتاب میں شامل کرنا بھول جاتے ہیں ۔ زیرِنظر کتاب میں مترجم کے حواشی (ص ۴۸۹ تا ۵۰۱) تو موجود ہیں لیکن مرتب کی 'پیش گفتار' کے حواشی شاملِ کتاب ہونے سے رہ گئے ہیں۔ بالائے ستم یہ کہ نامکمل ببلوگرافی (ص ۵۰۲ تا ۵۰۳) موجود ہے !

جرائم اور مجرم

مشعل بکس سے ۲۰۰۰ ء میں شایع ہونے والی اس کتاب کا پورا نام **جرائم اور مجرم ۔ متضاد نظریات کی روشنی میں** ہے۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ملک صاحب نے اپنی پیشہ وارانہ زندگی کا آغاز بطور ایک پولیس آفیسر کیا تاہم تقریباً دس برس ملازمت کرنے کے بعد مستعفی ہو گئے تھے ۔ اس دوران پہلے وہ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ آف پولیس اور بعد میں کچھ عرصہ مختلف ضلعوں میں سپرنٹنڈنٹ آف پولیس تعینات رہے ۔ اس موقع پر یہ بات دہرانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ محکمہ پولیس میں ان کی گزاری ہوئی یہ ایک دہائی تقسیم برصغیر کے بعد کی پہلی دہائی تھی جب کارکردگی اور ترجیحات کے لحاظ سے اس محکمہ کی صورتحال آج کے بالکل برعکس تھی۔ کسی دباؤ یا لالچ میں آئے بغیر دیانت اور تندہی سے کام کرنے کی عادت کے باعث خود کو پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ وہ بڑے دلچسپ انداز میں کیا کرتے تھے۔ پولیس ٹریننگ سکول ، شاردا (راجشاہی ،سابقہ مشرقی پاکستان) میں گزارے ہوئے دنوں کا ذکر بھی اکثر کرتے جہاں مسعود محمود (م ۱۹۹۶ ء) اپنی سابقہ ملازمت کا کسی نہ کسی طور فائدہ اُٹھا کر باقی ساتھیوں سے سینئر ہو گئے تھے۔بطور اے ایس پی ماتحت عملے کی طرف سے کی جانے والی تفتیشوں میں غلطیوں کی نشاندہی اور بعد ازاں بطور ایس پی چند ایک بار عدالتوں کا سامنا کرنے کے حوالے بھی ان کی کئی یادیں راقم کے ذہن میں محفوظ ہیں تاہم بطور پولیس آفیسر ان کی زندگی کا ناقابل فراموش واقعہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ ء کو بطور اے ایس پی راولپنڈی اُس تاریخی جلسے پر آن ڈیوٹی ہونا تھا جس میں پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان (۱۸۹۵ ۔ ۱۹۵۱ ء) کی شہادت ہوئی۔ جرمیات کے موضوع پر اُن کی مذکورہ بالا واحد تصنیف کا آغاز اسی واقعے سے ہوتا ہے جس کے بعد انھوں نے عالمانہ انداز میں جرم کے فلسفہ ،نفسیاتی محرکات وعوامل ،تفتیش اور سزا وغیرہ کے حوالے سے تفصیلی بحث کی ہے ۔

راگ درپن کا تنقیدی جائزہ

فقیر اللہ سیف خان (م ۱۰۹۵ھ / ۱۶۸۴ء) کی تألیف **راگ درپن** کے اردو ترجمہ و تعلیقات

پر مشتمل یہ کتاب مجلس ترقی ادب (لاہور) سے ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی ۔
راگ درپن کا تنقیدی جائزہ کے مطالعے کے بعد یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ شائد ہی برصغیر کی موسیقی پر لکھی گئی کسی کتاب کی ایسی مفصل تعلیقات لکھی گئی ہوں ۔ فارسی متن اور اور اُس کے اردو ترجمے سے پہلے روایتی مقدمے کے بجائے ملک صاحب نے ''موسیقی بعہدِ اورنگزیب'' اور پھر مستند معاصر کتابوں کی مدد سے فقیر اللہ سیف خان کے حالاتِ زندگی پر تفصیلی بحث کی ہے ۔ فارسی متن اور اس کے اردو ترجمے کے بعد باب وار تعلیقات لکھی ہیں ۔حسبِ معمول ملک صاحب کی یہ کتاب بھی **راگ درپن** کے فارسی متن میں چھیڑے گئے نکات کے تفصیلی جائزے اور اس موضوع پر متنوع اور مستند معلومات کا خزانہ ہے ۔کتاب کے آخر میں ''حاصلِ مطالعہ'' کے عنوان سے تین صفحات پر مشتمل تحریر مؤلف کی تحقیق کا نچوڑ کہی جا سکتی ہے جس میں انھوں نے شبلی نعمانی (۱۸۵۷۔۱۹۱۴ء) ، ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸۔ ۱۹۵۸ء) اور بیسویں صدی کے دیگر محققینِ موسیقی مثلاً ڈاکٹر نجمہ پروین احمد کی **راگ درپن** کے بارے میں آراء سے بہ دلائل اختلاف کرتے ہوئے انھیں باطل قرار دیا ہے ۔آٹھ نکات پر مبنی اس تجزیے کی بنیاد پر فاضل مؤلف نے برصغیر کی موسیقی پر لکھی گئی فارسی کتب میں **راگ درپن** کا مقام متعین کرنے کی کوشش کی ہے ۔ آپ کے خیال میں

> '' موسیقی کے علمی نقطہ نظر سے اس کتاب کی افادیت بڑی محدود ہے ۔ یہ تحقیق کے اولین مآخذ کے معیار پر پوری نہیں اترتی ۔'' (رشید ملک ۱۹۹۸ : ۵٦۸)

''حاصلِ مطالعہ'' کی اختتامی سطور میں بحث سمیٹتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں :

> '' علامہ شبلی نعمانی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے بشمول یہ کتاب کئی اہلِ علم کی گمراہی کا باعث بنی ۔ چنانچہ موسیقی کی بیسویں صدی کی تحقیق کے پیشِ نظر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس کتاب کو بطور ثانوی ماخذ استعمال کرتے ہوئے وقت بھی گمراہی کے خطرے کے پیشِ نظر احتیاط کی ضرورت ہے ۔'' (رشید ملک ۱۹۹۸ : ۵٦۸)

مسائلِ موسیقی

۱۹٦۴ء سے شروع ہونے والافنِ موسیقی پر مقالات کا سلسلہ ۱۹۷۵' ء میں **امیر خسرو کا علمِ موسیقی اور دوسرے مقالات** کی اشاعت کے بعد بھی جاری رہا ۔ ادارۂ ثقافتِ پاکستان ، اسلام آباد سے

۱۹۸۶ء میں شائع ہونے والی کتاب **مسائلِ موسیقی** انھی مقالات پر مبنی ہے۔ کتاب میں شامل ڈاکٹر خالد سعید بٹ کے تحریر کردہ ''ناشریہ'' کی ابتدائی سطور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ انھوں نے لکھا:

> '' **مسائلِ موسیقی**، رشید ملک کے ان مضامین کا انتخاب ہے جو فنِ موسیقی کے علمی، تکنیکی اور فنی پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ ان مضامین کی اشاعت کا مقصد فنِ موسیقی کے بارے میں پیدا ہونے والے مباحث اور ان سے جنم لینے والے سوالات پر غور کرنے کے ساتھ ساتھ حقائق تک رسائی پانا ہے۔ موسیقی کے جن مسائل کی طرف ان مضامین میں توجہ دی گئی ہے، ان سے سائنسی اقدار (انداز؟) میں حقائق تک پہنچنے کا رویہ نظر آتا ہے۔ موسیقی کے شعبہ میں سائنسی اور علمی انداز اختیار کرنا ہماری تاریخی ضرورت ہے۔ جب تک ہم کلاسیکی موسیقی کے فن اور تکنیک کو سائنسی طریقہ کار محفوظ کرنے اور ترقی دینے کی طرف توجہ نہیں دیں گے، یہ فن تاریخی تسلسل کے حوالے سے موجودہ دور اور مستقبل میں اپنا تشخص برقرار نہیں رکھ پائے گا۔'' (رشید ملک ۱۹۸۶: ۶)

ایک تفصیلی مقدمے کے علاوہ چھ مقالات پر مشتمل یہ کتاب بھی اپنے مندرجات کے اعتبار سے بڑی اہم ہے۔ ''کوتاہیِ فن'' کے عنوان سے **نورنگِ موسیقی** پر تفصیلی تبصرہ ہو یا تین حصوں پر مشتمل طویل مقالے بہ عنوان ''اہلِ تحقیق کی وا ماندگیاں'' میں حسن عسکری (۱۹۱۹۔ ۱۹۷۸ء)، ممتاز حسن (۱۹۰۷۔ ۱۹۷۴ء) یا نقی محمد خورجوی (۱۸۸۰۔ ۱۹۶۹ء) کی موسیقی پر لکھی ہوئی تحریروں کا محاکمہ، رشید ملک کا نشترِ قلم اپنا کام کرتے ہوئے متعلقہ موضوع پر ایسی قابلِ قدر اضافی معلومات فراہم کرتا ہے جن کی جمع آوری اور اُس تحریر میں مناسب ترین مقام پر کھپت کسی دیگر مؤلف کے بس کی بات نہیں۔ ''مآخذِ موسیقی'' کے عنوان سے تالیف شدہ مقالے میں رشید ملک نے تاریخ و تذکرہ کی ایسی کتابوں کا ذکر کیا ہے جن کی کوئی ایک فصل، باب یا کچھ حصہ موسیقی پر لکھے گئے ہیں۔ **قران السعدین**، **غرۃ الکمال**، **نہ سپہر**، **رسائل الاعجاز**، **تاریخِ فیروز شاہی**، **بحر الفضائل فی منافع الافاضل**، **آئینِ اکبری**، **پادشاہ نامہ**، **شاہ جہان نامہ**، **مرقع دہلی**، **مرآۃ الخیال** اور **تذکرۂ اہلِ دہلی** سے موسیقی سے متعلقہ حصوں کے مجمل تعارف پر مبنی یہ مقالہ دراصل رشید ملک کی ایک اور کتاب **برصغیر میں موسیقی کے فارسی مآخذ** کا ابتدائی خاکہ ہے۔ اسی طرح ''صدائے عام'' کے عنوان سے لکھے گئے مقالے میں جناب ادیب سہیل (پیدائش ۱۹۲۷ء) اور جابر علی سید (۱۹۲۳

۔۱۹۸۵ء) کے رشحاتِ قلم کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

فن موسیقی کو آج بھی کم وبیش وہی 'مسائل' در پیش ہیں جو تقریباً پچیس برس قبل زیر نظر کتاب **مسائل موسیقی** کی اشاعت کے وقت موجود تھے۔ عرصہ ہوا یہ کتاب مارکیٹ میں نایاب ہو چکی ہے۔ اپنے وقیع مواد کے پیشِ نظر اس کتاب کے اگلے ایڈیشن کی اشاعت موسیقی سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے لئے ایک نعمت سے کم نہ ہوگی۔

Doyens of Subcontinental Music

یہ کتاب موسیقی کے حوالے سے انگریزی زبان میں رشید ملک صاحب کی واحد تصنیف ہے جو ان کی وفات کے بعد شایع ہوئی۔ ملک صاحب کو قریب سے جاننے والے اصحاب کو معلوم ہوگا کہ کالم نویسی ملک صاحب کے تحقیقی مزاج سے ذرا بھی میل نہیں کھاتی تھی۔ تاہم ۱۹۸٦ء سے ۱۹۹۱ء تک روزنامہ فرنٹیئر پوسٹ اور دی نیشن میں شایع ہونے والی اخباری کالم سے ملتی جلتی ان تحریروں کا ایک پس منظر ہے اور وہ یہ کہ اردو زبان میں موسیقی پر موصوف کی اس قدر عمدہ تحریریں پڑھنے کے بعد کسی محفل میں جناب خالد احمد نے ان سے درخواست کی کہ اگر وہ اس موضوع پر انگریزی زبان میں بھی لکھیں تو فرنٹیئر پوسٹ کے صفحات حاضر ہیں۔ چنانچہ خالد صاحب کے اصرار پر یہ سلسلہ شروع ہوا اور پھر ان کالموں سے چھلکتی ملک صاحب کی وسعت مطالعہ اور شستہ و رواں انگریزی نثر سے متأثر ہوکر ایسی ہی ایک فرمایش روزنامہ دی نیشن سے بھی آئی۔ اخبار نویسی سے جز وقتی طور پر منسلک رہنے کا یہ عرصہ تقریباً پانچ برس پر محیط ہے جس دوران موسیقی پر اُن کی تحریریں بعنوان Profiles: Classical Music اور عالمی ادب کی شاہکار کتب پر تعارفی شذرات بعنوان Classics Revisited شایع ہوتے رہے۔

ملک صاحب کی وفات سے کچھ عرصہ قبل راقم نے ان سے یہ تحریریں کتابی صورت میں ترتیب دینے کی اجازت چاہی جو انھوں بخوشی دے دی۔ تاہم کچھ دیگر مسایل کی بنا پر، جن کا ذکر دیباچے میں کیا گیا ہے، یہ کتاب ان کی پانچویں برسی کے موقع پر ہی شایع ہوسکی۔ یہاں یہ بات خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ زیر بحث کتاب میں صرف موسیقی پر لکھی گئی تحریریں ہی شامل ہیں؛ Classics Revisited والی تحریروں پر مشتمل مجموعہ ابھی زیر ترتیب ہے۔ موسیقی پر لکھی گئی ان تحریروں کو کتابی صورت میں ترتیب دینے کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے ملک صاحب نے راقم کو اس موضوع پر کچھ غیر مطبوعہ تحریریں بھی

عنایت فرمائی تھیں، چنانچہ وہ بھی اس میں شامل کر دی گئی ہیں۔ مندرجات کے پیش نظر کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: پہلے حصے کا عنوان Profiles اور دوسرے کا عنوان Comments ہے۔ اول الذکر میں برصغیر کی موسیقی سے وابستہ بڑی شخصیات کے حوالے سے تحریریں شامل ہیں جب کہ دوسرے حصے میں موضوعات یا نظری مباحث پر مشتمل تحریریں شامل ہیں۔ کتاب کا ابتدائیہ جناب دلیپ کارنتھ لکچرر اِن فزکس یونیورسٹی آف وسکانسن (امریکا) نے لکھا ہے جنھوں نے ملک صاحب کی چند تحریریں انگریزی میں بھی ترجمہ کی ہیں۔ فکشن ہاؤس لاہور سے یہ کتاب ۲۰۱۲ء میں شایع ہوئی۔ راقم نے اپنی اس کاوش کا انتساب استادانِ گرامی جناب بدرالزماں (صدارتی اعزاز برائے حسن کارکردگی) اور جناب قمر الزماں (صدارتی اعزاز برائے حسن کارکردگی) کے نام کیا ہے۔

تراجم

تحقیق و تالیف کے ساتھ ساتھ تراجم بھی ملک صاحب کی علمی زندگی کا اہم حوالہ ہیں۔ انگریزی زبان پر ان جیسی قدرت راقم کے مشاہدے میں کم ہی آئی ہے ۔ چنانچہ کسی انگریزی متن کو اردو میں ڈھالتے وقت وہ الفاظ کے موزوں متبادل تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ جملے کی ساخت اور تراش پر بھی خصوصی توجہ دیتے تھے۔ انگریزی سے اردو زبان میں آپ کی ترجمہ شدہ کتب کا ذکر کچھ یوں ہے :

اتحاد جزیرۃ العرب

بہ گمان غالب ترجمہ کے میدان میں ملک صاحب کی یہ پہلی کتاب تھی جس پر سال اشاعت ۱۹۸۲ء درج ہے۔ کتاب کا پورا نام **اتحاد جزیرۃ العرب : ابن سعود کی شخصیت اور کارنامے** ہے اور اس کے پبلشر کے طور پر بھی رشید ملک صاحب ہی کا نام درج ہے ۔ اس کتاب کے ترجمے اور اشاعت کے بارے میں ملک صاحب کے انتہائی قریبی احباب کو بھی بوجوہ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں ۔راقم کی صورتحال بھی ایسی ہی تھی۔ ایک شب تراجم کے حق الزحمت کے حوالے سے عمومی بات چیت ہو رہی تھی کہ مذکورہ بالا کتاب کا ذکر بھی در آیا جس پر انھوں نے راقم کو بتایا کہ کافی عرصہ پہلے انھوں نے آل سعود کی تاریخ پر ایک عرب مصنف محمد المانع کی لکھی ہوئی کتاب کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا جس پر خاصی معقول یافت ہوئی تھی۔ راقم نے کتاب دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو انھوں نے فرمایا کہ اگرچہ ترجمے کے علاوہ اس کتاب کی طباعت و اشاعت بھی انھی کے ذمہ تھی تاہم افسوس کہ ان کے پاس اس کا ایک بھی نسخہ

موجود نہیں کیونکہ حسب معاہدہ تمام کاپیاں مصنف کو فراہم کردی تھیں اور گھر میں رکھی ریکارڈ کی کاپی مکان بدلتے ہوئے کہیں کھو گئی! راقم کا تجسس بیدار ہوتا دیکھ کر انھوں نے مزید وضاحت فرمائی کہ یہ کتاب مقامی مارکیٹ میں برائے فروخت بھی نہیں رکھی گئی تھی مگر شاید پرنٹر نے اپنے طور پر کچھ نسخے لائبریریوں وغیرہ میں بھجوائے ہوں۔ چنانچہ راقم نے اگلے ہی روز غالباً پنجاب پبلک لائبریری یا دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری سے یہ کتاب نکلوا کے انھیں دکھائی تو بہت خوش ہوئے اور بتلایا کہ ۱۹۸۰ء کے قریب المانع فیملی کے کسی فرد نے ،جو بسلسلہ تعلیم یا تجارت لاہور میں مقیم تھا ، اس کتاب کے ترجمے اور طباعت کے لئے ان سے رابطہ کیا تھا۔ چنانچہ ۵۰۰۰ کی تعداد میں تیار کروائی جانے والی یہ کتاب پہلے سے طے شدہ شرائط کے تحت اسے پیش کر دی گئی۔

زیرِنظر سطور لکھتے ہوئے راقم نے اب کی بارلمز (لاہور) کی لائبریری سے نکلوا کر دوبارہ ملاحظہ کیا تو دیکھا کہ بیرونی ٹائٹل پر مصنف یا مترجم کسی کا نام درج نہیں۔ یہ اہتمام صرف اندرونی سرورق پر کیا گیا ہے۔''تشکر'' کے عنوان سے لکھے گئے ابتدائی دوصفحات سے پتہ چلتا ہے کہ محمد المانع نے **اتحاد جزیرۃ العرب** نامی یہ کتاب انگریزی میں تحریر کی جو ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی ۔ اردو اور عربی زبانوں میں اس کے ترجمے کا خیال انھیں بعد ازاں آیا۔ [رشید ملک ۱۹۸۲: س] فلیپ پر دی گئی معلومات کے مطابق محمد المانع کے والد کا تجارت کے سلسلے میں ہندوستان کافی آنا جانا رہتا تھا۔ چنانچہ انھوں نے بیسویں صدی کے ربع اول میں بمبئی کے انگلش میڈیم سکولوں میں تعلیم پائی اور بعد ازاں تقریباً دس برس تک جلالۃ الملک شاہ عبدالعزیز ابن سعود کے دربار سے اردو اور انگریزی کے مترجم کی حیثیت سے منسلک رہے جہاں انھیں شاہِ موصوف کی شخصیت کو انتہائی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ۔ مذکورہ بالا کتاب انھی روز و شب کے دوران پیش آنے والے واقعات اور مصنف کے ذہن پر اپنے ممدوح کی شخصیت کے تاثر کا تفصیلی بیان ہے جسے مترجم نے بڑے رواں اسلوب میں اردو میں منتقل کیا ہے۔

پنجابی ساگا

پرکاش ٹنڈن (۱۹۱۱۔۲۰۰۴ء) کی تین جلدوں پر محیط یہ کتاب ۱۹۶۱ء میں لندن اور بعد ازاں ۱۹۸۸ء میں دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ [رشید ملک ۲۰۰۶ : ۸] فکشن ہاؤس (لاہور) کے اشاعتی پروگرام کے لئے اس کے اردو ترجمے کی تحریک و تجویز ڈاکٹر مبارک علی نے کی جس کے لئے قرعۂ فال ملک صاحب

کے نام پڑا ۔ چنانچہ پہلی دو جلدوں Punjab Century اور Beyond Punjab کے تراجم بالترتیب **پنجاب کے سو سال** اور **بیرون پنجاب** کے عنوان سے شائع ہوئے ۔

تیسری جلد Back to Punjab کی داستان قدرے مختلف اور دلچسپ ہے۔ مرحوم نے اس کا ترجمہ **پنجاب میں واپسی** کے عنوان سے شروع کیا لیکن پہلے تین ابواب کے بعد اسے بوجوہ جاری نہ رکھ سکے ۔کئی برس تعویق میں پڑے رہنے کے بعد ۲۰۰۴ ء میں راقم سے خواہش کی کہ اسے مکمل کروں۔ چنانچہ چند ماہ بعد چوتھا باب مکمل کر کے انہیں نظر ثانی کے لئے پیش کیا تاکہ ان کی تجویز کردہ تبدیلیوں کی روشنی میں اسے جاری رکھ سکوں ۔لیکن شومی قسمت کہ یہ نامکمل مسودہ ملک صاحب کی وفات ان کی توجہ کا منتظر ہی رہا اور بعد ازاں دیگر کتب کے ہمراہ ان کے اہل خانہ کی تحویل میں چلا گیا ۔

Back to Punjab کا ترجمہ شروع کرنے سے قبل راقم نے اس سلسلے کی پہلی دو کتب کو بارِ دیگر مع ترجمہ بغور پڑھا تاکہ متن ، موضوع ، مؤلف کے مافی الضمیر اور ترجمے کے انداز سے کما حقہ واقفیت حاصل کر سکوں ۔ چنانچہ اس دوران راقم کو احساس ہوا کہ اس ترجمے کے لئے ملک صاحب ہی موزوں ترین شخص تھے ۔ایک تجزیے کے مطابق مؤلف اور مترجم کی شخصیات میں متعدد ایسی مشترک باتیں موجود تھیں جن کے باعث مترجم کی جانب سے ایک معیاری ترجمے کی پوری امید کی جا سکتی تھی : اول یہ کہ دونوں کا تعلق سر زمین پنجاب سے تھا اور مادری زبان پنجابی تھی ۔ نیز یہ کہ دونوں کی جائے پیدائش بھی گجرات ہے ۔[۱] دوم یہ کہ دونوں اصحاب تقسیم برصغیر سے تقریباً تین دہائیاں پہلے پیدا ہونے والی نسل سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے لڑکپن یا اوائل جوانی تک تعلیم ، سیر و سیاحت اور کسی حد تک روزگار کی خاطر متحدہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں قیام اور سفر کر چکنے کے باعث یہاں کے جغرافیے اور رسوم و رواج وغیرہ سے بخوبی واقف تھے ۔[۲] سوم یہ کہ دونوں ہی اکاؤنٹینسی کے پیشے سے دلچسپی رکھتے تھے اور اس کی تعلیم کے لئے کچھ عرصہ انگلستان میں مقیم رہے تھے ۔ ملک صاحب نے تو ، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ، یہ تعلیم ادھوری چھوڑ دی لیکن پرکاش ٹنڈن اُن سے تقریباً پچاس برس پہلے ایک چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ بن کر وطن لوٹے اور بعد ازاں اس شعبے میں ممتاز مقام کے حامل ہوئے ۔

جدید سائنس کا آغاز

امریکی مصنف ٹامس گولڈ سٹائین کی کتاب Dawn of Modern Science From

Arabs to Leonardo da Vinchi پچھلے تقریباً ایک ہزار برس کے دوران ہونے والی سائنسی ترقی کا اجمالی جائزہ ہے ۔جدید سائنس کی تاریخ میں رونماہونے والی نمایاں تبدیلیوں اور ترویج و ترقی کی یہ داستان بڑے دلچسپ انداز بیان کی حامل ہے۔ تاہم جدید سائنس کے بنیادی تصورات سے گہری واقفیت نہ رکھنے والے شخص کے لئے اس کا ترجمہ یقیناً ایک مشکل کام ہوتا جس سے رشید ملک بخوبی عہدہ بر آ ہوئے ہیں۔کتاب کا مکمل نام **جدید سائنس کا آغاز۔ انسان کے فکری اور تخلیقی ورثہ کی دلچسپ کہانی** ہے۔ راقم کو ترجمہ شدہ کتاب کا اصل متن سے موازنہ کرنے کا موقع ملا ہے جس کی بنیاد پر یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ انھوں نے انگریزی زبان میں ٹامس گولڈ سٹائین کے رواں اور سہل اندازِ بیان کو اسی خوبی کے ساتھ اردو میں منتقل کیا ہے ۔

مشعل پاکستان اور تخلیقات کے باہمی تعاون سے شایع ہونے والی اس کتاب کے دو ایڈیشن بالترتیب ۱۹۹۳ ء اور ۲۰۰۰ ء میں سامنے آچکے ہیں ۔ دلچسپ موضوع اور عمدہ زبان و بیان کے باعث یہ کتاب دونوں بار کافی جلد بک گئی اور اب اس کے دونوں ایڈیشن کافی عرصے سے مارکیٹ میں دستیاب نہیں۔

انٹرنیٹ پر دی گئی معلومات کے مطابق [۳] اصل کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۸۰ ء میں یہ کتاب شائع ہونے کے بعد ٹامس گولڈ سٹائین نے اسی موضوع پر نسبتۃً تفصیل کے ساتھ ایک اور کتاب Dawn of Modern Science : From Ancient Greeks to the Reniasance بھی لکھی جو ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی تھی ۔

عہد وسطیٰ کا ہندوستان

یہ کتاب جواہر لال نہرو یونیورسٹی (نئی دہلی) میں تاریخ کے پروفیسر جناب ہربنس مکھیا (پیدائش ۱۹۳۹ ء) کے آٹھ مقالات کے انگریزی سے اردو ترجمے پر مشتمل ہے ۔ مقالات کے عناوین پر محض ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ **پنجابی ساگا** کی طرح اِن مقالات کے ترجمے کے لئے بھی وہی موزوں ترین شخصیت تھے ۔ راقم کو اس علمی کام کی تکمیل کے دوران اُن کی معاونت کا شرف بھی حاصل رہا۔خردنوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے موصوف نے کتاب میں ایک سے زائد مقامات پر راقم کی کاوشوں کو سراہا ہے۔فکشن ہاؤس (لاہور) **کی جانب سے یہ کتاب ۲۰۰۳ ء میں شایع ہوئی ۔**

حواشی

۱۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کبھی ملک صاحب سے دوران گفتگو اُن کی جائے پیدائش کا ذکر آیا ہو۔ تاہم دوست مکرم ڈاکٹر منیر سلیچ نے، جو اپنے علمی و تحقیقی کاموں کے باعث گجرات پر ایک سند کی حیثیت رکھتے ہیں، برسبیل تذکرہ بتایا کہ ملک صاحب کے اجداد کا تعلق گجرات سے تھا بلکہ ان کی اپنی پیدائش بھی گجرات ہی کی تھی۔ میری معلومات کے مطابق غالباً پی آئی ڈی سی میں مختصر ملازمت کے دوران ملک صاحب کچھ عرصہ گجرات میں قیام پذیر رہے اور شاید اپنے بیٹے حسین ملک کی پیدائش (۱۹۶۴ء) کے وقت وہیں مقیم تھے۔

۲۔ سرِ شام شروع ہو کر نصف شب تک جاری رہنے والی اکثر ملاقاتوں میں ملک صاحب تقسیم سے پہلے ہندوستان کے مختلف علاقوں کی سیاحت کا ذکر کیا کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہ ایک دفعہ کالج کی چھٹیوں کے دوران ایک ہمسائے دوست کے ہمراہ جالندھر سے بذریعہ ٹرین آگرہ گئے اور تاج محل دیکھا۔ اسی طرح علی گڑھ اور کئی دیگر شہروں کے سفر بھی تقسیم سے پیشتر کر چکے تھے۔

۳۔ رک : www.amazon.com

کتابیات

- رشید ملک (۱۹۸۲ء) ترجمہ، اتحاد جزیرۃ العرب: ابن سعود کی شخصیت اور کارنامے ریفرنس ری پرنٹس، گلبرگ، لاہور
- ایضاً؛ خواجہ حمید یزدانی (۱۹۸۳ء) برصغیر میں موسیقی کے فارسی مآخذ، ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور
- ایضاً (۱۹۸۶ء) مسائل موسیقی، ادارۂ ثقافت پاکستان، اسلام آباد
- ایضاً (۱۹۹۶ء) ترجمہ، بیرون پنجاب، فکشن ہاؤس، لاہور
- ایضاً (۱۹۹۷ء) ایٹم کی کائنات، اردو سائنس بورڈ، لاہور
- ایضاً (۱۹۹۸ء) راگ درپن کا تنقیدی جائزہ مع متن و ترجمہ، مجلس ترقی ادب، لاہور
- ایضاً (۲۰۰۰ء) امیر خسرو کا علم موسیقی (اور دوسرے مقالات)، فکشن ہاؤس، لاہور
- ایضاً (۲۰۰۲ء) انڈالوجی۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ کے چند گوشے، فکشن ہاؤس، لاہور
- ایضاً (۲۰۰۳ء) ترجمہ، عہد وسطیٰ کا ہندوستان، فکشن ہاؤس، لاہور
- ایضاً (۲۰۰۶ء) ترجمہ، پنجاب کے سو سال، فکشن ہاؤس، لاہور
- ایضاً (س۔ن) ترجمہ، جدید سائنس کا آغاز، تخلیقات، لاہور
- ایضاً (س۔ن) جرائم اور مجرم، مشعل پاکستان، لاہور
- مسعود، محمد اطہر (۲۰۱۲ء) (مرتب) Doyens of Subcontinental Music، فکشن ہاؤس، لاہور